ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.1 2021

بابابلھے شاہ کی شاعری میں صوفیانہ عناصر

"BABA BULLEH SHAH KI SHAERI MEIN SOOFIYANA ENASIR"

1. *Dr.Sabina Awais*

ABSTRACT

Buleh Shah was a great and renowned poet of Punjabi Poetry. His poetry revolves around the basic concepts of humanity described in Islamic culture and education. In his teachings, he renounced the traditional theologians and propagated true face of Islam. He censured his contemporary mullahs and focussed on humanism and spiritualism in true sense. His writings reflect concept of Touheed, and he was one of the greatest perpetrators of Tassawauf. His Poetry is an amalgamation of strict Ideotog and firm belief. His poetry also show his kind heartedness for common man. His message of spiritualistic nature always enlightens heart and soul of his reader. Buleh Shah expressed his views in more individualistic way which made from other poets. His poetry shows etemal love for God, the holy Prophet (P.B.U.H) and his spiritual leader. In this article, the importance of Buleh Shah's poetry in Punjabi language will be brought to light.

پنجابی ادب کی شاعری تصوف سے بھرپور ہے۔ ہمارے صوفی شعرا نے پیغامِ خداوندی کو عوام تک پہنچانے کے لیے عوامی زبان یہاں تک کہ روزمرہ محاوروں کو بھی اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا۔ ان صوفی شعرا میں بابابلھے شاہ کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کا کلام پاکستانی ادب کا قیمتی سرمایہ اور قارئین کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کی حاضر جوابی، صاف گوئی اور سادگی ضرب المثل ہے۔ آپ کا کلام انسان دوستی، ایمان کی تابندگی اور عرفانِ ذات سے بھرپور بہرہ مند کرتا ہے۔ پنجاب کا یہ آفاقی صوفی شاعر مشکل سے مشکل بات کو بھی سادہ اور آسان الفاظ میں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بابابلھے شاہ پنجاب کے مقبول صوفی شاعر ہیں ان کی پیدائش ووفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بلھے شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں پیدا ہوئے اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کا نام سیّد محمد عبداللہ لکھا ہے جب کہ بعض کتب میں ان کا اصل نام بوعلی شاہ درج ہے جو بگڑ کر بلھے شاہ ہو گیا اور انھوں نے اپنے بگڑے ہوئے نام سے ہی اپنی پہچان بنائی۔

بلھے شاہ کی صوفیانہ شاعری کا تمام تر فکری نظام قرآن و حدیث، صوفیہ کرام کی تعلیمات اور پنجاب کی ثقافت کے گرد گردش کرتا ہے۔ بابابلھے شاہ مولانا روم کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے جب کہ وحدت الوجود کے حوالے سے وہ ابن العربی سے متاثر تھے۔

بلھے شاہ کا دورِ حیات ۱۶۸۰ء سے شروع ہو کر ۱۷۵۷ء تک رہا۔ بلھے شاہ کی ولادت اورنگ زیب کے دورِ حکومت کے ۲۱ویں سال میں ہوئی جب اورنگ زیب کی وفات ہوئی تو بلھے شاہ کی عمر قریباً ۲۷ برس تھی۔ اپنی زندگی کے باقی سال بلھے شاہ نے اورنگ زیب کے جانشینوں بہادر شاہ اوّل، جہاں دار شاہ، فرخ سیر، محمد شاہ، احمد شاہ اور عالم گیر ثانی کے عہدِ حکومت میں گزارے۔ کسی شاعر کے کلام کو سمجھنے کے لیے اس دور کی سیاسی و سماجی صورتِ حال کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ حساس شاعر اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات سے متاثر ہوتا ہے۔ بلھے شاہ کا دور بھی انتشار کا دور تھا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا ستارہ گردش میں تھا۔

---

1. *Assistant Professor Govt. College Women university sialkot*

پورے ملک میں بغاوتوں کا دور چل رہا تھا۔ بابا بلھے شاہ کے دور میں ہندوستان میں عمومی طور پر اور پنجاب میں خصوصی طور پر سیاسی نشیب و فراز، افراتفری، بیرونی حملہ آوروں کی وجہ سے بدامنی غرض پورا ہندوستان سماجی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی اقدار کے زوال کی تصویر بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید لکھتے ہیں:

"ایک طرف راجے، مہاراجے اور نواب خود مختار حاکم بن چکے تھے تو دوسری جانب تاجروں کے روپ میں آئے ہوئے بدیسی حکمران بنگال کی طرف اپنا سیاسی اثر و رسوخ بڑھانے میں مصروف تھے"۔ [1]

اندرونی اور بیرونی سازشوں نے پنجاب کے حُسن کو پامال کر دیا تھا۔ کسی کی جان مال اور عزت محفوظ نہیں تھی۔ بابا بلھے شاہ نے اپنے دور کی منافقت و بربادی کا ذکر ایمانداری سے کیا ہے۔ ان کے کلام میں معاصرانہ صورتِ حال بھی نمایاں دِکھائی دیتی ہے۔

در کُھلا حشر عذاب دا
بُرا حال ہویا پنجاب دا
وِچ ہاویے دوزخ ساڑیا
کدی آ مل یار پیاریا [2]

بلھے شاہ ایک بیدار مغز وسیع فکر کے حامل اور دردِ دل رکھنے والے انسان تھے ان کے کلام میں اپنے عہد کی تصویر ملتی ہے۔ ہمارا سماجی نظام الجھاؤ اور بدامنی کا شکار ہے۔ بلھے شاہ کا دور بھی امن و سکون کا متلاشی تھا ان کی شاعری میں تلخ و طنزیہ لہجہ اُسی دور کی عطا ہے مگر اس لہجے کے پس منظر میں پنجاب کے عوام کے لیے محبّت کا سمندر موجود ہے۔ بلھے شاہ اپنے دور کی عکاسی کے ساتھ ساتھ مستقبل کے معاشرتی نظام کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سچائی کا راستہ بہت کٹھن ہے لکھتے ہیں:

سچ کہواں تے بھانبھڑ مچدا اے
جھوٹھ آکھاں تے کجھ نہ بچدا اے
جی دوہاں گلاں تو جچدا اے
جچ جچ کے جیبھا کہندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے [3]

بلھے شاہ قارئین کو سچ، حقیقت کے مسافر کو پوری قوتِ برداشت، حوصلے کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں

سچ مٹھا عاشق پیارے نوں
چھڈ دنیا کوڑ پسارے نوں
چُپ کر کے کریں گزارے نوں [4]

بلھے شاہ نے پُر آشوب دور میں لوگوں کو امن، اتفاق و اتحاد سے رہنے کا درس دیا۔ بلھے شاہ کی تعلیمات کا مقصد بھی یہی تھا کہ اعتماد و قربانی کے جذبات کی فراوانی ہو اور معاشرے سے تعصب، نفرت کا خاتمہ ہو۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید لکھتے ہیں:

"بلھے شاہ ہم میں قوتِ برداشت کیوں پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ اسی سے امن و سکون قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے فلسفۂ وحدت الوجود کو ایک معاشرتی مسئلے کے طور پر متعارف کروایا اور اسی کے حوالے سے عوام

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.1 2021

النّاس کو وحدت کی ایک مالا میں پرو کر ایک دوسرے کا ہمدرد بنا دیا۔ ہمدردی کا یہی جذبہ خوش بو بن کر آج تک ہمارے ہاں انیسِ جاں ہے۔ بلھے شاہ کی تعلیمات کا مقصد یہی ہے کہ اعتماد اور قربانی کے جذبات کی فراوانی ہو اور معاشرے سے تعصب، نفرت کا خاتم ہو"۔[5]

بلھے شاہ نے بارھویں صدی ہجری کے منفی رجحانات، مذہبی گروہ بندیوں، تعصب، سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاج کیا۔ انھوں نے انسان سے محبت کی۔ اپنے گرد و پیش میں جہاں کہیں برائی نظر آئی جرأت کے ساتھ اسے روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ سچی بات کو برملا کہہ دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ لوگ سچی بات سننے کو پسند نہیں کرتے کہتے ہیں:

منہ آئی بات نہ رہندی اے
جھوٹھ آکھاں تے کجھ نہ بچدا اے
سچ آکھیاں بھانبڑ مچدا اے
جی دوہاں گلاں تو جچدا اے
جچ جچ کے جیبھا کہندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے [6]

تصوف کا مادہ سوف سے مشتق ہے یعنی اُونی لباس پہن لینا۔ تصوف کی روایت صحابہ کرام کے طور اطوار اور درس اخلاقیات سے عبارت ہے۔ صوفیہ پرہیز گاروں کا ایک ایسا گروہ ہے جس نے گمراہ لوگوں کی رہنمائی بھی کی اور اپنے قول و فعل سے خدا کی وحدانیت و اخلاقیات کی تبلیغ بھی کی۔ صوفی اپنے نفس کو دنیاوی لذتوں سے بچاتے ہوئے حق و سچ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور یہی انسان کی نجات کا ذریعہ ہے۔ فیروزاللغات اور جامع میں تصوف کے معنی کچھ اس طرح بیان کیے گئے ہیں۔

"تصوف۔ (ت-صو-وُف)(ع-ا-مذ)(۱) صوفیوں کا عقیدہ (۲) علم معرفت (۳) دل سے خواہشوں کو دُور کر کے خدا کی طرف دھیان لگانا (۴) تزکیۂ نفس کا طریقہ (۵) پشمینہ پہننا"۔[7]

تصوف اللہ پاک کی معرفت حاصل کرنا اور دل کو دنیاوی آلائشوں کے علاوہ غیر اللہ سے پاک کرنا یعنی مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کی حقیقت کو پالینا۔ بابا بلھے شاہ پنجابی زبان کے ایک صوفی بزرگ شاعر ہیں ان کے کلام میں تصوف کا غالب رنگ موجود ہے۔ حیات عامر حسینی "ادب اور تصوف" میں لکھتے ہیں:

"تصوف نام ہے اپنے وجود کو مکمل طور پر اللہ کے رنگ میں رنگ دینے کا"۔[8]

تصوف میں صوفی کو اپنے نفس کے عرفان کے لیے تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے تب وہ حقیقت تک رسائی حاصل کرتا ہے ان میں اولین منزل مُرشد کے احکام اور صفات میں گم ہونے کی ہے جس کو "فنافی الشیخ" کہتے ہیں۔ یہ وہ منزل ہے جس میں سالک کو کائنات کے ہر ذرّے میں اپنے مُرشد کی جھلک نظر آتی ہے۔ سلوک کی دوسری منزل کو "فنافی الرسول" کہا جاتا ہے اس مقام پر ایک سالک رسولِ اکرم ﷺ کی ذات کو ہی ساری کائنات میں منعکس دیکھتا ہے۔ وہ راہِ ہدایت کے لیے صرف رسول ﷺ کو ہی تلاش کرتا ہے۔ تیسری منزل "فنافی اللہ" کی ہے اس میں سالک اپنی ہستی کو رب کریم کی ہستی میں فنا کر دیتا ہے اور تصوف کا اصل مدعا بھی یہی ہے کہ معرفت الٰہی کی بلندی تک رسائی ہو جائے۔ ڈاکٹر مرزا صفدر علی بیگ لکھتے ہیں:

"تصوف تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کا طریقہ سکھاتا ہے اور صبر و قناعت، توکل، فقر و مسکینی، سنجید گی اور خاموشی، ذکر و فکر، عبادت و ریاضت، نیکی و اخلاق کا درس دیتا ہے"۔ [9]

تصوف کے خیالات کا اظہار ہر زبان اور ہر مذہب میں ہوا ہے۔ پروفیسر سید صفی حیدر دانش لکھتے ہیں:

"تصوف قلبِ انسانی کی ایک کیفیت کا نام ہے"۔ [10]

تصوف ایک بین الاقوامی نظریہ ہے۔ دنیا کے ہر زبان و ادب اور معاشرے میں اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اسلامی صوفیانہ اخلاقیات کا بنیادی اصول سنتِ رسول ﷺ کی پیروی ہے۔ معرفتِ خداوندی کے حصول کے لیے نفسانی خواہشات سے نجات ضروری ہے اور قلبی آلائشوں سے پاک ہونا ضروری ہے جب انسانی دل نفسانی خواہشات اور قلبی آلائشوں سے پاک ہو گا تو یہ جلوۂ خداوندی کا مظہر بن جائے گا۔ بابا بلھے شاہ نے اپنے کلام میں صفاتِ خداوندی کا بیان کیا اور راہِ عشق میں پیش آنے والے مسائل اور عشق کی آزمائشوں کا بیان کیا ہے۔ عشق نے انبیا کرام اور اولیا کرام کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا جب وہ ان مشکلات میں ثابت قدم رہے تو بلند رتبے کے حامل ٹھہرے۔

بابا بلھے شاہ کہتے ہیں:

ایس عشق دے بڑے اڈنبر
عشق نہ چھپدا باہر اندر
عشق کیتا شاہ شرف قلندر
باراں ورھے دریا وِچ ٹھاریا ای
رہو رہو وے عشقا ماریا ای
کہہ کس نوں پار اتاریا ای [11]

عشق محبّت، چاہت، پیار کے جذبۂ خلوص کا نام ہے۔ عشق چاہے مجازی ہو یا حقیقی اس میں دُوئی کو دخل نہیں۔ عشق اپنی ذات اور محبوب تک رہے تو مجاز اور اگر اپنے عشق میں کائنات کو شریک ٹھہرایا جائے تو عشق حقیقی ہے۔ مجازی عشق اپنے محبوب کے پیار و محبّت تک محدود ہے جب کہ حقیقی عشق اپنا آپ فنا کر دیتا ہے۔ صوفیانہ شاعری میں ہجر و وصال، کرب، بے چینی اور فراق برداشت کرنے اور روحِ انسانی کے اپنے اصل کی طرف لوٹ جانے کی کیفیت عشق ہے جسے بلھے شاہ نے اپنے کلام میں بخوبی بیان کیا ہے۔

مرزا مقبول بیگ بدخشانی لکھتے ہیں:

"صوفیہ جہاں ذاتِ خداوندی کو روحِ مطلق سمجھتے ہیں، وہاں اسے حُسن، مطلق بھی کہتے ہیں۔ حُسنِ مطلق ایک سرچشمہ ہے جس سے حُسن کے سوتے پُھوٹتے ہیں اور کائنات میں پھیلے چلے جاتے ہیں۔ انسانی روح اپنے اس سرچشمے کو دیکھنے اور اس میں واصل ہونے کے لیے بے تاب ہے۔ اِس اضطراب اور بے چینی کو صوفیانہ اصطلاح میں عشق کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں روحِ انسانی عاشق اور ذاتِ باری محبوب"۔ [12]

بلھے شاہ عشق کو عقل پر فوقیت دیتے تھے ان کے نزدیک بے نیازی، استغنا، عزّتِ نفس، فقط عشق کے ہی ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بلھے شاہ سراپا عشق تھے یہ عشق کو سرسبز و شاداب باغ سے تشبیہ دیتے ہیں جو دائمی اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

انیس ناگی لکھتے ہیں:

"بلھے شاہ کی صوفیانہ شاعری میں بعض ایسے فکری عناصر ہیں جو اسے دوسرے پنجابی صوفی شعرا سے منفرد کرتے ہیں۔ بلھے شاہ کی شاعری میں ایک سے زیادہ صوفی رجحانات دِکھائی دیتے ہیں جو یہاں کی تاریخی اور ثقافتی تحریکوں کا نتیجہ تھے۔ اس کی شاعری میں ایک طرف اسلامی تعلیمات، رسولِ خدا ﷺ سے محبت، وحدانیت، ابن العربی کا تصورِ وحدت الوجود وغیرہ واضح طور پر دِکھائی دیتے ہیں اور دوسری طرف صلح کل، تمام مذاہب میں یگانگت اور انسانی وجود کی کم مائیگی کے تصورات اس کی شاعری میں تواتر کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں"۔[13]

اگرچہ بلھے شاہ کی شاعری میں صوفیانہ آزاد خیالی، گناہوں سے توبہ، آخرت کی فکر میں گھلتے رہنا اور نیک اعمال کی نعمتیں ملتی ہیں مگر توحید، عشق حقیقی اور خدائے بزرگ وبرتر کو واحد تسلیم کرنے کا رجحان بھی ملتا ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید لکھتے ہیں:

"وہ دیگر قادری صوفیہ کی طرح نہ صرف وحدت الوجود پر قائم تھے بلکہ اس فلسفہ کو عام کرنے کی بھی کوشش کرتے رہے۔ یہ ان کے عارفانہ کلام کا اعجاز ہے کہ تصوف کے وہ اسرار ورموز جو صوفیہ کی خاص خاص محفلوں میں زیرِ بحث تھے، بلھے شاہ نے انھیں عوام الناس کے درمیان لا کر ایک معاشرتی مسئلہ بنا دیا۔ بلھے شاہ کی یہ کوشش صوفیانہ شاعری میں یقیناً ایک اجتہادی پہلو قرار دی جاسکتی ہے"۔[14]

اللہ پاک کی ذات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی جب کہ باقی سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ بابا بلھے شاہ کی شاعری میں عشق فنا فی الشیخ سے فنا فی اللہ کی منزل کا راہی ہے جو مجاز سے حقیقت کا سفر طے کرتا ہے۔ ان کا عشق غیر مشروط اور انسانیت کی فلاح کے لیے کام کرتا ہے جس سے روحانی حقیقت کا پردہ چاک ہوتا ہے اور انسان کی نس نس میں نغمۂ عشق گونج اُٹھتا ہے۔

دنیا امتحان گاہ اور خاردار جھاڑی ہونے کی بنا پر ناپائیدار ہے جس میں دامن بچا کر گزرنے میں ہی عافیت ونجات ہے۔ بابا بلھے شاہ دنیا کو ایک ساعت ایک لمحہ سمجھتے ہیں جس نے اسے چھوڑ دیا گویا اس نے فلاح پالی۔ بابا بلھے شاہ ترکِ دنیا کو انسان کی سلامتی و فلاح سمجھتے ہیں۔ دنیا داری منافقت ہے جو اللہ کے ذکر اذکار سے دُور کرتی ہے۔ یہ دنیا کو ایک کھیل تماشا سمجھتے ہیں جو انسان کو اپنے آپ میں مگن کر کے انسان کو اچھائی اور برائی کی تمیز بھلا دیتی ہے اس لیے بلھے شاہ اس کی تلاش کو عقل کا ناقص ہونا قرار دیتے ہیں۔

بلھے شاہ دیگر صوفی شعرا کی مانند اپنی کافیوں میں امن دوستی کا درس دیتے ہیں کہ سب انسان برابر ہیں۔ اللہ پاک کی نظر میں وہی انسان بہتر ہے جو زیادہ متقی ہے۔ چاہے کوئی سیّد ہو یا اراعیں، اللہ کو اس سے کوئی سروکار نہیں صرف انسان کا کردار ہی اس کو اللہ اور اس دنیا کی نظر میں بہتر کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

جیہڑا سانوں سیّد آکھے دوزخ ملن سزائیاں
جیہڑا سانوں ارائیں آکھے بہشتیں پینگھاں پائیاں
جے لوڑیں باغ بہاراں بلھیا طالب ہو جا رائیاں [15]

بلھے شاہ ایک صوفی شاعر ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک کوئی ذات پات کی تخصیص نہیں بس انسانیت اور دوست انسانیت بنے جس نے انسان کی قدر کی وہی مقدم و محترم مانا جائے گا۔ یہی پیغامِ امن ہے۔ کیوں کہ اگر انسان انسانیت کا حامل ہے تو معاشرہ امن کا گہوارہ ہے جہاں کوئی مسلک نہیں بلکہ سب سے بڑا مسلک امن و سکون اور بنی نوعِ انسان کی سلامتی ہے۔ کیونکہ ایک صوفی امن کا پیغام بر ہے۔ یہ صوفیہ ہی تو ہیں تو نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور احکامات کی پیروی کرتے ہیں اور معاشرے میں امن دوستی، محبت و پیار اور سلامتی کا پرچار کرتے ہیں۔

بلھے شاہ نے کافیاں، سی حرفیاں، دوہے، باراں ماہ، گنڈھاں، آٹھوارہ بھی لکھے ہیں۔ ان کا زیادہ تر کلام ''کافیوں'' کی صورت میں ہے۔ بلھے شاہ کی کافیاں عوام و خواص میں بہت مقبول ہیں۔ کافی شاعری کی وہ صنف ہے جس میں شاعر اپنے محبوب کے ہجر و فراق میں تڑپتا، وصل کی تمنّا لیے پھرتا ہے اور محبوب کے وصل سے ملی روحانی تسکین کے بیانات کو نظم کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ کافی کی ایجاد کا سہرا ہندوستان میں امیر خسرو کے سر ہے۔ پنجابی، ملتانی، سرائیکی اور سندھی زبان میں بھی شعرا نے کافیاں لکھیں۔ کافی ایک راگ ہے جو سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ بلھے شاہ کی کافیاں بھی گائی گئی ہیں انھوں نے اپنی کافیوں میں عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کا رنگ پیش کیا ہے۔ بلھے شاہ عشق حقیقی کے طالب ہیں اور اس عشق کے رنگ میں رنگنے کی نصیحت کرتے ہیں وہ عشقِ حقیقی کے سالک کو باطنی خواہشات سے بچتے ہوئے ذکر و فکر اور اسرار و رموز سے بھی واقف کرواتے ہیں جیسے کافی کے بول قاری کو سرمدی کیفیت میں مبتلا کر دیتے ہیں:

تیرے عشق نچایا کر تھیّا تھیّا
تیرے عشق نے ڈیرا میرے اندر کیتا
بھر کے زہر پیالہ مَیں تاں آپے پیتا
چھیتی بوہڑیں وے طبیبا ، نئیں تے مَیں مر گئیا
تیرے عشق نچایا کر تھیّا تھیّا [16]

بلھے شاہ نے اپنی کافی میں انسانی تشخص اور اس سے متعلق بعض خیالات کا اظہار کیا ہے انسان سے سوال کیا ہے کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے انسان اپنے مقصد کو پیشِ نظر رکھے۔ جسم یا وجود روح کے سہارے قائم ہے۔ روح لافانی اور ازلی شے ہے۔ یہ زندگی اور موت سے بالاتر ہے یہ مذاہب، ممالک اور قوموں کی بندشوں سے بالاتر ہے۔ بلھے شاہ کے کلام میں تصوف کے رنگ نمایاں ہیں۔ معرفت اور سلوک کا درس ان کے کلام میں دِکھائی دیتا ہے۔ مذہبی عقائد اور صداقتیں، حکمت کے موتی اور پُراسرار رموز اُن کے کلام کے گہرے مطالعے کے متقاضی ہیں جیسے ان کے کلام کا معروف رنگ ہے۔ لکھتے ہیں:

بلھا کیہ جاناں مَیں کون
نہ مَیں مومن وِچ مسیتاں
نہ مَیں وِچ کُفر دیاں رِیتاں
نہ مَیں پاکاں وچ پلیتاں
نہ مَیں موسیٰ نہ فرعون
بلھا کیہ جاناں مَیں کون

نہ وِچ شادی نہ غمناکی
نہ مَیں وِچ پلیتی پاکی
نہ مَیں آبی نہ مَیں خاکی
نہ مَیں آتش نہ مَیں پون
بلھا کیہ جاناں مَیں [17]

محمد سرور بابا بلھے شاہ کی کافیوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ:

"وہ برہنہ تلواریں ہیں جو ہر قسم کے نفاق اور جھوٹ کی گردن پر پڑتی ہیں۔ وہ اپنی بات کو ایسے پیرایے میں کہتے ہیں جس میں ادب کی چاشنی اور تاثیر کی فراوانی ہے۔ اس کی ضرب سیدھی دل پر پڑتی ہے اور پھر دل و دماغ کو متاثر کرتی ہے"۔ [18]

عبدالغفور قریشی فرماتے ہیں:

"بلھے شاہ نے اپنیاں کافیاں وچ جیہڑا تصوف ورتیا اے اوہ رِندی تے مستی، سوز تڑپ تے ویراگ دے ولولے نال بھرپور اے"۔ [19]

بلھے شاہ کے کلام میں بیک وقت دو چیزوں کی آمیزش دِکھائی دیتی ہے۔ ایک جلال اور دوسرا جمال۔ ان کی شاعری حقیقت و مجازی دونوں رنگوں میں پُر تاثیر ہے۔ تصوف، خدا پرستی، بلند فکر، حقیقت پر مبنی افکار دل و دماغ کو جِلا بخشتے ہیں۔ اُن کی کافیوں کی دِل نشینی اور سوز آفرینی کا اعتراف پنجابی اور اردو ادب کے بہت سے قارئین نے کیا ہے۔ بلھے شاہ کے کلام میں انسان دوستی کا ایسا سبق ملتا ہے کہ انھوں نے "سیّد" ہونے پر اترانے کی بجائے اندر کے انسان کی عظمت کو مقدم جانا جب اُنھوں نے شاہ عنایت کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو جس صورتِ حالات سے انھیں نمٹنا پڑا اس کے متعلق خود کہتے ہیں:

بلھے نوں سمجھاون آئیاں بھیناں تے بھرجائیاں
آل نبی اولاد علی نوں بلھیا توں کیہ لیکاں لائیاں
من لے بلھیا ساڈا کہنا چھڈ دے پلڑا رائیاں [20]

بعد ازاں اس صورتِ حال کے حوالے سے جو جواب دیا گیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے کہ جس سے مذہب، فقہ، ذات پات کے تمام بُت ٹوٹ جاتے ہیں۔ مثلاً:

جیہڑا سانوں سیّد آکھے دوزخ ملن سزائیاں
جیہڑا سانوں ارائیں آکھے بہشتیں پینگھاں پائیاں
جے لوڑیں باغ بہاراں بلھیا طالب ہو جا رائیاں [21]

مولا بخش کشتہ تحریر کرتے ہیں:

"بلھے شاہ نے اپنیاں کافیاں وِچ نرا عشق، بہرہ، رِندی تے شوخی دا اظہار نہیں کیتا۔ سگوں دنیاوی بے ثباتی نوں مکھ رکھ کے اخلاق نیکی تے عملاں دی سکھشاوی دتی اے"۔ [22]

بلھے شاہ سر تا پا وحدت پرست ہے۔ وہ "ذاتِ مطلق" پر یقینِ کامل رکھتا ہے اور ہر تُرک مسلمان اور ہر بھگت ہندو کو ایک ہی جیسی مستی میں ڈوبا ہوا دیکھتا ہے۔

سلوک کی منازل میں پہلی منزل فنا فی الشیخ ہے جو روحانی استاد و رہبر بھی ہے اور فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچانے کا وسیلہ بھی۔ اس حوالے سے فنا فی الشیخ سلوک کی منازل میں اہم ہے جس تک پہنچے بِنا سلوک کی باقی منازل طے نہیں کی جاسکتیں۔ بلھے شاہ کی شاعری میں فنا فی الشیخ کا تصور بدرجۂ اتّم موجود ہے۔ اُنھوں نے اپنی ذات کو اپنے مُرشد کی ذات میں فنا کر دیا تھا۔ بلھے شاہ اگرچہ شاہ عنایت کا نام بہت احترام و عقیدت سے لیتے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنے مُرشد کے توسط سے ہی شریعت و طریقت اور اسرار و رموز تک رسائی حاصل کی۔ بلھے شاہ کا تعلق سیّد خانوادے سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.1 2021

تھا مگر دنیاوی علم کے حصول کے بعد روحانی و باطنی علم کے لیے شاہ عنایت قادری کی بیعت اختیار کر لی جن کا تعلق اراعیں ذات سے تھا۔ ان کے اس عمل کی شدید مخالفت کی گئی مگر بلھے شاہ فنا فی الذات سے فنا فی المرشد کی منزل تک پہنچتے پہنچتے اپنا سٹیٹس اور خاندانی حسب نسب بھلا کر یہ مؤقف اختیار کر چکے تھے:

جے توں لوڑیں بہار بہاراں ، چاکر ہو جا رائیاں [23]

بابا بلھے شاہ کو شاہ عنایت قادری نے تراش کر وہ گوہر نایاب بناڈالا کہ آج بلھے شاہ اپنی شاعری کے آفاقی موضوعات کی بنا پر عالمی کلاسیکی ادب میں اہم مقام پر فائز ہیں۔ بلھے شاہ کے غیر معمولی کام اور آفاقی موضوعات نے ان کو جو مقام عطا کیا اس حوالے سے بلھے شاہ کا اپنا مصرع ان پر صادق آتا ہے:

بلھیا اساں مرنا ناہیں
گور پیار کوئی ہور [24]

ڈاکٹر احمد حسین قریشی لکھتے ہیں:

"سیّد بلھے شاہ پنجابی کے سر تاج صوفی شاعر ہیں۔ بلھے شاہ کے کلام میں عشقِ الٰہی، حق گوئی، بے باکی اور راست کرداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے زورِ کلام مثالی ہے ان خوبیوں کی وجہ سے بلھے شاہ کا نام پنجابی شعرا کی صفِ اوّل میں لیا جاتا ہے"۔ [25]

بابا بلھے شاہ نے اپنے اشعار کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کا کام بڑے اثر انگیز انداز میں کیا۔ انھوں نے اپنے اشعار میں لوگوں کو اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہونے اور اخلاقی اقدار کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھنے کی تلقین بڑے مؤثر انداز میں کی ہے۔

حمید اللہ شاہ ہاشمی "بلھے شاہ" کی شاعری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"آپ کی شاعری میں پیار، محبت، امن، رواداری اور اطاعت کا پیغام ملتا ہے۔ آپ کے کلام میں سوچ، رس، سوز اور تڑپ، لطافت، سادگی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ آپ کا کلام معرفت، حکمت، دانائی، عبرت اور حقائق سے بھی خالی نہیں"۔ [26]

بابا بلھے شاہ کے نزدیک علم وہ ہے جو عاجز بنائے نہ کہ تکبّر و گمان پیدا کرے۔ علم کے بغیر فقر کُفر ہے جو کہ سال ہا سال کی ریاضت و عبادت کے بعد بھی اللہ کی محبت سے آشکار نہیں کر سکتا یعنی علم کے ذریعے ہی انسان ذاتِ الٰہی تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ عقل کی تکمیل بھی علم کے بغیر ممکن نہیں۔ اس صفت کی بنا پر انسان کو فضیلت دی گئی۔

حمید اللہ ہاشمی لکھتے ہیں:

"ان کو پنجابی زبان کا بہت بڑا صوفی شاعر اور فلسفی تسلیم کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے صوفی شاعروں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کو بابا بلھے شاہ کے مقابل کھڑا کیا جا سکے۔ وہ عقل اور فطرت کے لحاظ سے شاہ شمس تبریز اور جلال الدین رومی کے ہم عصرد کھائی دیتے ہیں۔ ان کی اپنی ایک منفرد حیثیت ہے۔ وہ عقل کی بجائے جذبے سے زیادہ کام لیتے ہیں"۔ [27]

بلھے شاہ ایک سادہ، عام فہم شاعر ہے۔ ان کا کلام سادگی و سلاست کا حامل ہے۔ وہ نہایت سادگی سے سچائی کا دامن تھامے بآسانی اپنی بات کہہ دینے کے ہنر سے بھی واقف ہیں۔ اگرچہ انھیں سچ کے تلخ نتائج کا بھی اندازہ ہے۔ وہ سچ کا گلا گھونٹ کر، اپنی ذات، اپنی شاعری اور عوام کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنا چاہتے چنانچہ وہ مجبوری اور بے بسی کے عالم میں پکار اُٹھتے ہیں کہ

منہ آئی بات نہ رہندی اے

بابا بلھے شاہ کے کلام میں فارسی، عربی زبان کے الفاظ اور اسلامی مذہبی کتب کے حوالے موجود ہیں۔ اُنھوں نے تشبیہیں اور استعارے عام پنجابی زندگی سے لیے ہیں۔ بابا بلھے شاہ نے پنجابی ادب کے فروغ میں بہت کام کیا۔ انھوں نے پنجابی ادب میں بے پناہ اضافہ کیا۔ انھوں نے پنجابی کی شیرینی اور حلاوت میں رس گھولنے کے لیے خوب صورت تشبیہات و استعارات کا نہ صرف استعمال کیا بلکہ ان سے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا کام بھی لیا۔ بلھے شاہ کے کلام میں علم و حکمت کے موتی ہر طرف چمکتے نظر آتے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ حکمت کی باتیں اور حقائق کو انتہائی سادگی سے پیش کرتے ہیں۔ ان کا کلام پنجاب کی تہذیب اور روایات کا خاصہ ہے۔

بلھے شاہ کی آواز توانا ہے انھوں نے اپنے دور کے زوال پذیر معاشرے کے عیوب کا پردہ چاک کیا ہے۔ بابا بلھے شاہ نے فرقہ بندی، گروہ بندی اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر انسان سے محبت کی۔ وہ ہر انسان میں خدا کا عکس دیکھتے ہیں۔ بابا بلھے شاہ کی پاکیزہ طرزِ زندگی اور اعلیٰ درجے کی روحانی رسائی کے سبب ہندو، مسلمان، سکھ وغیرہ مختلف مذہبی عقیدوں کے لوگ آپ سے یکساں محبّت کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک طرف مسلم صوفی روایت کا واضح اثر موجود ہے تو دوسری جانب ویدانتی فلسفہ، بابا گورونانک کے تصورات اور ہندی بھگتی شاعری نے بلھے شاہ کی فکری اساس کو بہت متاثر کیا۔ آپ کے کلام میں جابہ جا کتب، احادیث، فقہ اور قرآنی آیات کے اقتباسات موجود ہے۔ انھوں نے تصوف کی چار منزلوں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کو اپنی شعری فکر میں ڈھالا ہے۔

بابا بلھے شاہ نے اپنے کلام کے ذریعے اپنے دور کے بھٹکتے ہوئے لوگوں کو توحید کے راستے پر چلنے کا حکم دیا۔ بلھے شاہ کے کلام میں جہاں کہیں خوش گوار گیتوں کی بہار ہے وہاں ہجر کے دل سوز جذبات کی فراوانی بھی ہے۔ یہ کلام جس قدر عام فہم اور دل کش ہے اتنا ہی سنجیدہ اور پُر معنی بھی ہے اور خود بخود دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ بلھے شاہ کی شاعری میں خوب صورت تلمیحات کے ساتھ بے ثباتی اور فنا کے موضوع کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

کتھے ہے سلطان سکندر
موت نہ چھڈے پیر پیغمبر
سبھے چھڈ چھڈ گئے اڈنبر
کوئی ایتھے پائیدار نہیں [28]

بلھے شاہ کی شاعری میں ایسے موضوعات کی کثرت ہے جن کو آفاقیت کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ پنجابی زبان کی کلاسیکی شاعری کی قریباً آٹھ سو سالہ روایت اتنی مضبوط اور جاندار ہے کہ آٹھ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان شعرا کے موضوعات کی آفاقی حیثیت مُسلّم ہے اور زمان و مکان کی قیود سے بالاتر یہ موضوعات تمام دنیا میں بسنے والے قارئین ادب کو یکساں متاثر کرتے ہیں۔

بلھے شاہ نے مقامی زبان میں شعر کہہ کر عوام کو ایک بار پھر تعلیمات اسلامی کی جانب متوجہ کیا۔ توحید، رسالت، جزا، سزا، اتحاد، یگانگت کے مطالب عام فہم انداز میں از سرِ نو بیان کیے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ امتدادِ زمانہ سے یہ مطالب بھولتے جا رہے ہیں۔ اس لیے اثر انگیز پیرائے میں آپ نے ان کا اعادہ کیا۔

بلھے شاہ اپنے وقت کے نقیب ہیں۔ دنیا کی اُلجھنوں سے بے نیاز یہ درویش صفت انسان اپنی شاعری کے ذریعے قارئین کو اپنے گرد و پیش کے حالات سے باخبر رکھتا ہے۔ وہ پنجاب کے اِن دُکھوں سے بھی واقف ہیں جن کا شکار اہلِ پنجاب ایک عرصے سے ہیں۔ ان کی شاعری ان کے روحانی سفر کا بیان بھی ہے۔ اور وہ تصوف کی چار منزلوں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کو اپنی شعری فکر میں ڈھالتے ہیں۔ زندگی اور

معاشرے کے مشکل، کٹھن معاملات کو بلھے شاہ نے سادہ انداز میں اپنے کلام میں پیش کیا ہے وہ اپنے اندر معنی آفرینی اور اثر پذیری کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی لوگ ان کے کلام کو لطف سے پڑھتے اور سُنتے ہیں۔ پسندیدگی کا یہ عالم ہے کہ بلھے شاہ کے کلام کو ایک عام گلی محلے بازار کے گائیک سے لے کر صوفیانہ کلام کے ماہرین تک نے ہر دور میں اپنے اپنے انداز میں گایا ہے۔ پوری دنیا میں انسان دوست شاعر کے کلام کو اہمیت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُنھوں نے انسانیت کی بقا کے لیے قلم کے ذریعے جہاد کیا۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کا کلام بطور رہنما، رہبر ہمارے درمیان موجود ہے۔ جس طرح انگریزی ادب میں ولیم شیکسپیئر اور اردو ادب میر، غالب، اقبال کے بغیر ادھورا ہے اسی طرح پنجابی زبان کا تذکرہ ہو اور بابا بلھے شاہ کا ذکر لازم و ملزوم ہے۔ بابا بلھے شاہ کا نام بر صغیر کا محتاج نہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں گھر کیا اور پنجابی ادب کو ایک عظیم الشان سرمایہ بخشا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو صوفیانہ فکر کی پرچھائیں بابا بلھے شاہ کے کلام میں بدرجۂ اتّم موجود ہیں۔ کائنات کی تخلیق کا ظہور عشق کا مرہونِ منّت ہے جسے علم و عقل پر فوقیت حاصل ہے۔ اسی عشق سے دل کو جِلا ملتی ہے تو انسان اللہ کا قرب مُرشد کے وسیلے سے حاصل کرتا ہے اور جب فنا فی اللہ کی حد تک پہنچتا ہے تو اس پر قدرت کے راز آشکار ہو جاتے ہیں اسی میں انسان کی فلاح مضمر ہے۔ غرض بابا بلھے شاہ کا کلام حکمت اور معرفت سے بھرپور ہے۔ اپنے صوفیانہ افکار اور پُر تاثیر کلام کی بدولت بابا بلھے شاہ نے شاعری میں غیر فانی مقام حاصل کیا ہے۔

حواشی:

1 انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، پاکستانی زبانوں کے صوفی شاعر، الفیصل پبلشرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۵، ص ۱۰۴۔

2 نذیر احمد، ڈاکٹر، کلام بلھے شاہ، مرتبہ: پیکجز، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۵۳۔

3 ایضاً، ص ۲۷۔

4 ایضاً، ص ۳۲۔

5 انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، پاکستانی زبانوں کے صوفی شاعر، محولہ بالا ۰۱، ص ۱۰۹۔

6 کافی نمبر ۱۱۳۔

7 فیروز اللغات اردو جامع، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، سنہ ندارد، ص ۳۶۳۔

8 حیات عامر حسینی، ادب اور تصوف، پبلی کیشنز سری نگری، ۱۹۹۱، ص ۱۰۔

9 مرزا صفدر علی بیگ، ڈاکٹر، تصوف اور اردو کی صوفیانہ شاعری، نئی دہلی، علمی انجمن، ۱۹۸۶، ص ۲۰۔

10 پروفیسر سید صفی حیدر دانش، تصوف اور اردو شاعری، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، ۱۹۴۸، ص ۳۷

11 فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر (مرتب)، کلیات بابا بلھے شاہ، پنجابی ادب اکادمی، لاہور، ۱۹۶۰، ص ۱۲۔

12 مقبول بیگ بدخشانی، مرزا، ادب نامۂ ایران، لاہور، نگارشات، سنہ ندراد، ص ۴۲۸، ۴۲۹۔

13 انیس ناگی، بلھے شاہ، جمالیات، ص ۴۲۔

14 انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، پاکستانی زبانوں کے صوفی شاعر، محولہ بالا ۰۱، ص ۱۰۳۔

15 بلھے شاہ، آکھیا بلھے شاہ نے، مرتب محمد آصف خان، لاہور پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، دسمبر ۲۰۰۴، ص ۱۰۴۔

16 ڈاکٹر نذیر احمد، کلام بلھے شاہ، مرتبہ پیکجز، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۲۶۔

جی آر پوری، بلھے شاہ، مشتاق بُک کارنر، لاہور، ۲۰۰۲، ص ۲۹۵۔

17 فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر (مرتب)، کلیات بابا بلھے شاہ، محولہ بالا ۱۱، ص ۴۴۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.1 2021

18 محمد سرور، پنجابی ادب، ادارۂ مطبوعاتِ پاکستان، کراچی، ص۴۷،۴۸۔

19 عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، عزیز بُک ڈپو لاہور، ۱۹۷۲، ص۲۸۔

20 فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر (مرتب)، کلیات بابا بلھے شاہ، محولہ بالا۱۱، ص۱۲۳۔

21 ایضاً، ص۱۸۔

22 میاں مولا بخش کشتہ، پنجابی شاعراں دا تذکرہ، لاہور، ۱۹۶۰، ص۱۰۷۔

23 بلھے شاہ، آکھیا بلھے شاہ نے، مرتب محمد آصف خان، محولہ بالا۱۵، ص۱۰۴۔

24 ایضاً، ص۳۱۶۔

25 احمد حسین قریشی، ڈاکٹر، پنجابی ادبیات کی مختصر تاریخ، عزیز بُک ڈپو، لاہور، ۲۰۰۲، ص۶۹-۷۱۔

26 حمید اللہ ہاشمی، بلھے شاہ شخصیت و فن، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، پاکستان، ۲۰۱۲، ص۱۶۴۔

27 ایضاً، ص۱۱۔

28 بلھے شاہ، آکھیا بلھے شاہ نے، مرتب محمد آصف خان، محولہ بالا۱۵، ص۶۸۔